Historicity in Mustansar Hussain Tarar's Travelogue "Niklay Teri Talash Mein

مستنصر حسین تارڑ کے افسانے "نکلے تیری تلاش میں" تاریخیت

Neelam Ali Khan *[1]
Visiting Lecturer, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad
Hamza Saeed *[2]
Visiting Lecturer, Department of English, Government Graduate College of Science Faisalabad.

☆1نیلم علی خان
وزٹنگ لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل اسلام
☆2حمزہ سعید
وزٹنگ لیکچرار، شعبہ انگریزی، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج آف سائنس فیصل آباد

Correspondance: neelamalikhan619@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 14-04-2026
Accepted:26-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This research paper presents an analytical study of Mustansar Hussain Tarar's renowned travelogue "Niklay Teri Talash Mein" (1971), which marks a significant turning point in Urdu travel literature. The study examines Tarar's unique literary style, his distinctive approach to landscape portrayal, his method of presenting historical facts through the lens of historicity, and his personal philosophy of travel, vagrancy, and love (ishq). The research demonstrates that this travelogue transcends the conventional boundaries of travel writing, functioning instead as an autobiographical narrative where the author presents his philosophy of life, death, and love while simultaneously bringing history to life as a breathing, moving reality rather than a collection of lifeless facts confined to library books.

KEYWORDS: Novel, Plot, History,

Neohistoricism, Travelogue Identity Crisis, Self-Determination,

لفظ تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے۔اس لفظ کا لغوی مفہوم وقت پیدا کرنے کا ہے۔تاہم یہ لفظ کسی اہم واقعے کے وقت کا تعین کرنے،زمانے کے وقت،دن رات،عدالت میں مقدمے کی پیشی کے دن،عظیم واقعات اور سیر کی کتاب اور جنگ ناموں وغیرہ کے مفاہیم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔گویا تاریخ میں وقت،واقعات،ناموروں کے تذکرے،اہم قصے،جملوں یا شعروں سے مادہ تاریخ نکالنے کا بیان اور جنگ نامے بیان کیے جاتے ہیں۔مولوی نورالحسن نیر نے بھی اسی سے ملتے جلتے مفاہیم بیان کیے ہیں:

> "کسی چیز کے ظہور کا وقت ظاہر کرنا،کسی امرِ عظیم کے وقت کا تعین کرنا ،ماحصل، شمسی یا قمری مہینے کا ہر ایک دن جیسے تم نے خط میں تاریخ نہیں لکھی، گزشتہ واقعات اور سیر کی تاریخ،اس دن کا نام جس میں واقعات گزشتہ سے بحث کی جاتی ہے، کسی واقعے کے سالِ وقوع کو حروفِ ابجد (حسابِ جمل) کے ذریعے الفاظ میں اس طرح سمونا کہ ان کا مجموعہ سنہِ تاریخ بن جائے؛ اور اس کے ساتھ ساتھ ماضی کے حالات، اہم واقعات، بادشاہوں، مشاہیر اور نامور شخصیات کے مستند احوالِ زندگی کو تحریری شکل میں محفوظ کرنا۔"(1)

تاریخیت کا لفظ تاریخ ہی سے اخذ کیا گیا ہے،انگریزی زبان میں تاریخیت "Historicism" کے لفظ میں استعمال ہوتا ہے۔اس لفظ سے متعلق Wikipedia میں درج ہے:

> "Historicism is the practice of explaining why certain social and cultural traditions exist today by analyzing their origins and the historical journey that brought them into being.."(2)

اس طرح تاریخیت مظاہر کے وجود کی وضاحت کرنے کا ایک نقطہ نظر ہے,یہ اصطلاح عمرانیات,بشریات اور فلسفے میں عام استعمال ہوتی ہے۔

جدید تحقیق اور تاریخی لسانیات میں ادب اور زبان کے مطالعے کے لیے تاریخ کے مطالعہ پر زور دیا جاتا ہے۔ نظریۂ تاریخیت(Historicism)کی رو سے کسی بھی عہد کے تخلیقی ادب کی تفہیم اس وقت تک نامکمل ہے جب تک اس دور کے تہذیبی مظاہر، ثقافتی رویوں رسم ورواج اور رہن سہن کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ یہ نقطہ نظر ادب کا مختلف تاریخی ادوار کے پس منظر میں مطالعہ اور تجزیہ اس کے معانی اور مفاہیم کو زیادہ واضح کرتا ہے۔ بہت سے الفاظ اور اصطلاحات وقت گزرنے کے ساتھ متروک ہو چکے ہیں یا ان کے معانی تبدیل ہو گئے ہیں۔ تاریخیت ہمیں ان الفاظ کو اسی دور کے حساب سے سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور ادبی مطالعے کی الجھنوں کو سلجھاتی ہوئے متن کے اصل مفہوم تک رسائی میں مدد فراہم کرتا ہے۔

ادب بیک وقت اپنے عہد کا آئینہ دار اور تاریخی شعور کا امین ہوتا ہے۔ حال کا ہر لمحہ چونکہ گزرنے کے ساتھ ہی ماضی کے بطن میں سما جاتا ہے، اس لیے ہر ادبی تخلیق بالآخر تاریخ کا ایک ناگزیر حصہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب اور تہذیب و ثقافت کا ادب سے گہرا تعلق ہے۔ اور کسی بھی علاقے کی تہذیب و ثقافت اور ادبی و سماجی روایات کی بنیادیں اس کے تاریخی اثاثے میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ادب کی تمام اصناف براہِ راست تاریخی واقعات پر مبنی نہیں ہوتیں۔ تاہم تاریخی تنقید (Historical Criticism)ادبی تحریروں کی گہری تفہیم، لسانی تغیرات، ثقافتی پس منظر اور کلچر کی حقیقی تشریح کے لیے تاریخ کا سہارا لینا ضروری اور لازم قرار دیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:

"ادب تاریخ کا زائیدہ ہے اور ادب کا وہی مطالعہ صحیح اور مناسب ہے جو تاریخی اور سماجی تناظر کے ساتھ کیا جائے۔"(3)

تاریخیت سوچنے کا ایک ایسا انداز ہے جس میں کسی مخصوص عہد کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یعنی تاریخی دور کا، جغرافیائی جگہ کا، یا مقامی کلچر کا۔

تاریخ دائمی طور پر متحرک، تغیر پذیر اور ارتقائی سفر میں ہے۔ یوں دیکھا جائے تو تاریخیت تاریخ ہی کو محیط نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر سارے سماجی اور ثقافتی علوم اس کے دائرہ اثر سے نکل نہیں سکتے۔ تاریخیت کے دو اصول طے کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"بیسویں صدی میں مختلف فکری نظریات کے باہمی تعامل سے تاریخیت (Historicism)کا جو نیا اور جامع تصور ابھرا، وہ بنیادی طور پر دو امتیازی اوصاف کا حامل ہے۔ اول یہ کہ تاریخیت ایک متحرک طریقہ کار اور حیاتی

اصول کے طور پر کام کرتی ہے، جو کسی بھی واقعے یا مظہر کو اس کے مخصوص زمانی و تاریخی تناظر میں رکھ کر سمجھنے اور اس کی تعبیر کرنے پر زور دیتی ہے۔ دوم یہ کہ یہ نظریہ ہر واقعے کو الگ تھلگ دیکھنے کے بجائے اسے ایک وسیع سماجی اور ثقافتی کُل (Socio-cultural Totality) کے پس منظر میں پرکھتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق، کوئی بھی تاریخی واقعہ اس سماجی کل کی تشکیل کا ایک اہم مرحلہ ہوتا ہے، جس میں وہ اپنا ایک مخصوص کردار ادا کرتا ہے اور اپنی منفرد معنویت قائم کرتا ہے۔ چنانچہ، جدید تنقید میں تاریخیت محض واقعات کے تاریخی اندراج کا نام نہیں، بلکہ یہ تاریخ کے بطن میں چھپی فلسفیانہ بصیرت کو دریافت کرنے کا ایک معتبر ذریعہ ہے۔"(4)

تاریخیت (Historicism) کی اصطلاح ادب کو ایک مخصوص اور گہرے زاویے سے پرکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق، کسی بھی عہد کے ادب کا جائزہ لیتے وقت اس دور کے مخصوص تصورات، فکری رسمیات اور فضا کے سیاق و سباق کو ملحوظِ خاطر رکھنا ناگزیر ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اعلیٰ درجے کا تخلیقی ادب زمانی حدود سے ماورا ہوتا ہے اور کسی ایک عہد تک محدود نہیں رہتا، تاہم کوئی بھی ادیب یا شاعر اپنے معاصر معاشرتی ماحول اور عقلی رویوں سے مکمل طور پر لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ ہر دور کی مخصوص فکری اور سماجی لہریں کسی نہ کسی سطح پر تخلیق کار کی تحریر میں اپنا عکس ضرور چھوڑتی ہیں؛ چنانچہ تاریخیت اسی باہمی تعلق کو سمجھنے اور متن کی حقیقی روح تک پہنچنے کا نام ہے۔ دورِ حاضر میں اس نقطہ نظر پر ادب کو تخلیق کرنے والوں میں سب سے نمایاں اور اہم نام مستنصر حسین تارڑ کا ہے۔ تارڑ محض مقامات کی ظاہری منظر کشی تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ جن علاقوں، تہذیبوں اور معاشروں کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کے تاریخی پس منظر، ثقافتی روایات اور سماجی تبدیلیوں کو بھی اپنے بیانیے کا حصہ بناتے ہیں۔ ان کے سفرناموں میں ماضی اور حال ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں جہاں قاری کو مختلف ادوار کی تہذیبی جھلکیاں، تاریخی واقعات اور انسانی تمدن کے ارتقائی نقوش نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارڑ کے سفرنامے صرف سفری مشاہدات نہیں بلکہ تاریخ، تہذیب اور ثقافت کے زندہ دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۳۹ء کو ضلع منڈی بہاؤالدین کی تحصیل گکھڑ منڈی میں پیدا ہونے والے تارڑ نے لاہور کے گورنمنٹ کالج اور پھر لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ لیکن باقاعدہ تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے زندگی کی عملی تعلیم بھی حاصل کی جو انہیں سڑکوں پر، پہاڑوں پر، اور مختلف ثقافتوں کے لوگوں سے مل کر ملی۔ ان کی شخصیت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے آپ کو ایک "مصنف" یا "ادیب" کے روایتی سانچے میں ڈھالنے کو تیار نہیں ہوئے۔ حقیقی معنوں میں ان کی پہچان ایک "خانہ بدوش" اور "آوارہ مزاج" شخصیت کے طور پر ہے۔ وہ خود کو مصنف کہلوانے کے بجائے آوارہ کہلوانا

پسند کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ سفر نامہ لکھنے کے لیے سفر نہیں کرتے بلکہ ان کی جستجو اور مہم جو فطرت ہی انہیں سفر پر مجبور کرتی ہے۔ تارڑ کے نزدیک "آوارگی" کوئی منفی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک مثبت اور تخلیقی حالت ہے جس میں انسان اپنی حقیقی ذات سے ملاقات کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان گھر سے نکلتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بہتر طور پر جاننے لگتا ہے۔

تارڑ کی تحریروں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے قارئین کو یہ احساس نہیں ہونے دیتے کہ وہ کچھ پڑھ رہے ہیں، بلکہ وہ خود کو اس منظر میں کھو دیتے ہیں۔ ان کا اسلوب اتنا سادہ، روانہ اور دلچسپ ہے کہ قاری کو لگتا ہے جیسے وہ خود مصنف کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ تارڑ کی تحریر کی یہی خاصیت ہے جو انہیں اردو ادب میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ انہوں نے سفر نامہ نگاری کو ایک نیا انداز دیا اور اسے نثر کی ایک مقبول صنف بنا دیا۔

مستنصر حسین تارڑ کی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ وہ اس زمانے میں لندن میں زیر تعلیم تھے کہ انہیں ماسکو کے ایک یوتھ فیسٹیول میں شرکت کے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ سفر ان کے لیے پہلا بڑا موقع تھا جب وہ آہنی پردے کے پیچھے سوویت یونین جانے والے پہلے پاکستانیوں میں شامل ہوئے۔ اس وقت سوویت یونین اور مغربی دنیا کے درمیان شدید کشیدگی تھی اور آہنی پردے کے پیچھے جانا کسی خواب سے کم نہ تھا۔ تارڑ کے لیے یہ سفر ایک نیا تجربہ تھا جس نے ان کی زندگی کی سمت بدل دی۔۔ یہ ان کی زندگی کا اہم ترین موڑ تھا جس نے ایک سیاح کو ادیب میں بدل دیا۔

مستنصر حسین تارڑ کا پہلا مکمل سفر نامہ "نکلے تیری تلاش میں" ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ یہ سفر نامہ اردو ادب میں جدید سفر نامہ نگاری کی بنیاد سمجھا جاتا ہے اور اس نے اردو قارئین کے درمیان سفر نامے کو ایک نئی مقبولیت بخشی۔ اس سے پہلے اردو میں سفر نامے تو لکھے جاتے تھے لیکن وہ زیادہ تر روایتی اور علمی انداز میں لکھے جاتے تھے۔ تارڑ نے اسے ایک عام آدمی کی زبان میں پیش کیا اور اسے دلچسپی اور حقیقت نگاری کا حسین امتزاج بنا دیا۔

۵۰۴ صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ نہ صرف اپنے حجم کے اعتبار سے بلکہ اپنے موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس وقت تک اردو میں اتنا طویل اور مفصل سفر نامہ نہیں لکھا گیا تھا۔ تارڑ نے نہ صرف اپنے سفر کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے بلکہ اس میں اپنے فلسفیانہ خیالات، تاریخی حقائق، اور تہذیبی مشاہدات کو بھی شامل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سفر نامہ محض ایک سیاحتی روداد نہیں ہے بلکہ ایک مکمل علمی اور ادبی دستاویز ہے۔

اس سفر نامے کا مرکزی موضوع یورپ کا دورہ ہے۔ تارڑ نے اس سفر نامے میں اپنے یورپی سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات، مختلف شہروں کے مناظر، وہاں کی ثقافت، تاریخ، اور لوگوں کے طور طریقوں کو بڑے ہی دلکش اور منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ محض ایک سیاحتی روداد نہیں ہے بلکہ اس میں مصنف نے یورپی معاشرے، تہذیب اور تاریخ کا گہرا

مشاہدہ اور تجزیہ پیش کیا ہے۔ وہ یورپ کو ایک پاکستانی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا موازنہ اپنی ثقافت سے بھی کرتے ہیں۔

اس سفر نامے کی سب سے بڑی اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ تارڑ نے یہ سفر ہوائی جہاز کے ذریعے طے نہیں کیا بلکہ زمینی راستہ اختیار کیا۔ ۱۹۶۹ء میں جب تارڑ نے یورپ کا سفر کیا تو اس دور میں عام طور پر لوگ ہوائی سفر کو ترجیح دیتے تھے۔ ہوائی سفر تیز، آرام دہ اور محفوظ تھا جبکہ زمینی سفر طویل، تھکا دینے والا اور خطرناک تھا۔ لیکن تارڑ نے سڑکوں کا سفر کیا، خیمے میں قیام کیا، راہ چلتی گاڑیوں سے لفٹیں لیں، اور مختلف ممالک کی سرحدیں پیدل یا بس کے ذریعے عبور کیں۔

اس زمینی سفر نے انہیں وہ تجربات دیے جو ہوائی سفر میں ممکن نہیں تھے جیسے راستے میں آنے والے چھوٹے شہر اور گاؤں، عام لوگوں سے ملاقاتیں، اور ان کی روزمرہ زندگی کا قریب سے مشاہدہ۔ ہوائی جہاز میں اڑتے ہوئے آپ کو زمین کے اوپر سے گزرتے ہوئے شہر اور دیہات نظر آتے ہیں لیکن آپ ان کے قریب نہیں جاسکتے۔ زمینی سفر میں آپ ان شہروں کی گلیوں میں گھومتے ہیں، وہاں کے لوگوں سے بات کرتے ہیں، ان کے کھانے کھاتے ہیں، اور ان کی زندگی کو قریب سے دیکھتے ہیں۔ اس زمینی سفر نے تارڑ کو تاریخ کا عمیق مطالعہ کرنے اور علاقے کی تہذیب و ثقافت کی اصل روح کو سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

تارڑ نے اس سفر نامے میں تاریخ کو بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ جہاں سے گزرتے ہیں وہاں کی تاریخی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس جگہ پر کب کون سا واقعہ پیش آیا، کس بادشاہ نے کون سی جنگ لڑی، اور کس طرح یہ علاقہ ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں منتقل ہوا۔

مستنصر حسین تارڑ کا سفر نامہ "نکلے تیری تلاش میں" محض ایک سیاحتی روداد نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ کو زندہ کرنے کا ایک منفرد اور موثر ذریعہ ہے۔ اس سفر نامے میں تاریخ کو جس طرح پیش کیا گیا ہے وہ روایتی تاریخی بیانیے سے یکسر مختلف ہے۔ تارڑ تاریخ کو کسی کتب خانے کی بند کتابوں میں قید مردہ حقائق کی شکل میں پیش نہیں کرتے بلکہ وہ اسے ایک زندہ، متحرک اور سانس لیتی ہوئی حقیقت کے طور پر اپنے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ تاریخ صرف وہی نہیں جو کتابوں میں لکھی ہے بلکہ وہ ہر اس سڑک، ہر اس پہاڑ، ہر اس دریا اور ہر اس عمارت میں بستی ہے جس سے ہم گزرتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ ارض روم کی طرف گاڑی کے ذریعے سفر کر رہے تھے راستے میں ان کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس نے ایک ضخیم کتاب "تاریخ ایشیا کوچک" سے اس تاریخی جگہ کے بارے میں بتایا جہاں سے ان کی بس گزر رہی

تھی اس شخص نے کہا کہ جس خطے سے ہم گزر رہے ہیں یہاں تاریخ بکھری پڑی ہے اس حوالے سے تارڑ صاحب نے اپنے سفر نامے "نکلے تیری تلاش میں "اس طرح بیان کیا ہے۔اقتباس پر روشنی ڈالتے ہوئے:

"سلجوق سلطان الپ ارسلان نے انہی وادیوں میں یونانیوں کے دانت کھٹے کیے سلطان محمد ثانی نے ترابزان کا محاصرہ کیا تو شہنشاہ ترابزان داؤد کو پیغام بھیجا کے بھائی دو ہی رستے ہیں یا اپنی سلطنت ہمارے حوالے کر دو اور اپنی جان و مال بچالو یا سلطنت کے ساتھ جان و مال سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو، داؤد سیانا تھا۔ اس نے پہلی تجویز قبول کر لی شہر سلطان کے حوالے کر دیا اور اپنا خزانہ سمیٹ کر رومانیہ چلا گیا جہاں سلطان نے اسے ایک قطعہ الاٹ کر دیا"
(5)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر ناموں میں تاریخیت کو صرف اجتماعی اور تہذیبی سطح تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے شخصی تناظر میں بھی پیش کیا ہے۔ تاریخ میں پیش آنے والے واقعات اور اس سے منسلک شخصیات کو انتہائی عمدہ انداز میں بیان کیا ہے، جس سے ی تاریخ ایک اُکتا دینے والے تحریر کے بجائے ایک حسین ادبی ناول اور اس میں پروے ہوئے عظیم کرداروں کا شاخسانہ معلوم ہوتی ہے۔ مصنف جب کابل کی وادیوں میں گھوم رہا تھا تو اس کی نظر ایسے بورڈ پر پڑی جس پر تحریر تھا "سلطان محمود ہوٹل" کیونکہ اس جگہ کا تعلق "سلطان محمود غزنوی" سے تھا۔ مصنف محمود غزنوی کے شاہکار کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے راقم ہیں:

"موجودہ لندن اور نیویارک اس شان و شوکت، عظمت اور بلندیوں کا اندازہ کبھی نہیں کر سکتے جو آج سے ایک ہزار سال قبل غزنی کو نصیب ہوئی تھی۔ محمود کو سومنات کے براہمنوں نے صرف ایک بت کی خاطر 20 کروڑ روپے کے مالیت کے جواہرات بطور نذرانہ پیش کرنا چاہے اور محمود کا جواب ان تمام متعصب تاریخ دانوں کے منہ پر تھپڑ ہے جو اسے صرف لٹیرے کا نام دیتے ہیں۔ سلطان نے کہا تمہاری وجوہات اپنی جگہ پر درست اور صائب ہیں لیکن محمود کبھی بھی تاریخ میں "بت فروش" کے نام سے نہیں پہچانا جائے گا۔ سومنات کے ٹکڑے غزنی، مکہ اور مدینہ تک بھیجے گئے۔"(6)

ترابزان سے گزرتے ہوئے تارڑ نے "مارکوپولو" کے اس سفر کی یاد تازہ کی جو اس نے چین سے واپس جاتے ہوئے اس راستے کا انتخاب کیا تھا. اس حوالے سے تارڑ رقمطراز ہیں:

"مارکو پولو چین کی سیاحت کے بعد ترابزان سے ہی وینس کے لیے سدھارا تھا۔ وہ شہنشاہ چین کے حکم سے شہزادی "کو خاتون" کو ایران لایا تھا۔ جہاں شاہ ایران اس سے شادی کے منتظر تھے۔ لیکن سفر نے طوالت اختیار کر لی اور کو خاتون ایران پہنچی تو شاہ ایران انتقال فرما چکے تھے۔ اب ان کا بیٹا تخت نشین تھا۔ بہرحال شہزادی کو واپس چین بھجوانے کی بجائے چھوٹے شاہ صاحب نے خود ہی شادی رچالی۔ شاہ جی منگول نسل کے تھے اور ان دنوں ایران میں خالص منگول نسل شہزادیاں نایاب تھیں۔ مارکو پولو کو انعام و اکرام سے نوازا گیا شام کا راستہ چونکہ ڈاکوؤں سے اٹا پڑا تھا, اس لیے مارکو پولو سیدھا ترابزان آیا اور بحری جہاز کے ذریعے اپنے وطن واپس چلا گیا ترابزان کے جس سرائے میں مارکو پولو نے قیام کیا اس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔"(7)

مصنف افغانستان کے صحراؤں میں جب آوارہ گردتے تو انہیں "چنگیز خان" کا ان صحراؤں کو پامال کرنا یاد آتا ہے تو اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"چنگیز خان بھی تو ان صحراؤں کو پاٹ کر خراسان پر حملہ آور ہوا تھا۔ میں نے سوچا سڑک سے کچھ دور ویرانے میں ایک قدیم کارواں سرائے کے کھنڈر دھوپ میں چمک رہے تھے۔ ویران اور مجیب زمانہ قدیم میں توران اور ایران کے مابین انہی راستوں پر قافلے سفر کرتے تھے جن کی شب بسری کے لیے ہر بیس (20) کوس کی مسافت پر کارواں سرائے تعمیر کی گئیں۔ سب سے پہلے 1219ء میں چنگیز خان نے ہرات کو تباہ کیا لیکن سلطان جلال الدین نے کمال شجاعت سے تاتاریوں کو مار بھگایا۔ تین برس بعد ایک مرتبہ پھر تاتاری حملہ آور ہوئے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔"(8)

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر نامے "نکلی تیری تلاش میں" میں تاریخیت کو صرف زمانی (Temporal) پہلو سے ہی نہیں بلکہ مکانی (Spatial) تناظر میں بھی پیش کیا ہے۔ زمانی اعتبار سے وہ ماضی کے واقعات، ادوار اور تاریخی تسلسل کا ذکر کرتے ہیں، جبکہ مکانی اعتبار سے مختلف شہروں، علاقوں، عمارات اور تاریخی مقامات کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں

کہ وہ محض جغرافیائی مقامات نہیں رہتے بلکہ تاریخ کے زندہ مظاہر بن جاتے ہیں۔ تارڑ جن مقامات سے گزرتے ہیں، وہاں کی تہذیب، ثقافت، تاریخی پس منظر اور ان سے وابستہ انسانی تجربات کو بھی شامل کرتے ہیں، جس سے قاری ان جگہوں کی تاریخی اہمیت کو محسوس کر سکتا ہے۔

اس سفر نامے میں مقامات کی تفصیل صرف منظر نگاری کے لیے نہیں بلکہ ان کے تاریخی وجود اور تہذیبی شناخت کو اجاگر کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ تارڑ کسی مقام کو دیکھتے ہوئے اس کی قدامت، اس سے وابستہ تاریخی شخصیات، سیاسی و سماجی تبدیلیوں اور تہذیبی ارتقا کو بھی بیان کرتے ہیں۔ یوں "نکلی تیری تلاش میں" میں تاریخیت کا مکانی پہلو اس صورت میں نمایاں ہوتا ہے کہ جگہیں اپنے اندر ماضی کی داستانیں اور تہذیبی یادداشتیں سموئے ہوئے نظر آتی ہیں، اور قاری سفر کے ساتھ ساتھ تاریخ کے سفر میں بھی شریک ہو جاتا ہے۔

مصنف اپنے سفر نامے "نکلے تیری تلاش میں" "کوہ ہندوکش" کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ:

> "مشرق سے شمال تک ایک ناقابل تسخیر خنک اور بلند سلسلہ کوہ کی برف پوش دیوار کھڑی تھی اسے افغانوں نے "ہندوکش" کے نام سے پکارا۔ اور ایک ایسا پہاڑ جو ہندوؤں کے لیے پیام اجل تھا۔ ہندوؤں نے اسے صرف "کوہ ہندو" کا نام دیا اور ایرانیوں کی قدیم زبان میں اسے "پاروپانیسادا" کہتے تھے۔"(9)

تارڑ صاحب کا سفر کے دوران جب "ہرات" سے گزر ہوا تو انہوں نے اس جگہ سے متعلق آگاہی دیتے ہوئے بیان کیا:

> " ہماری بس ایک خشک پہاڑی کو عبور کر کے ایک ہری بھری وادی میں داخل ہو گئی۔ سامنے "ہری رود" یعنی "دریائے ہری" بہہ رہا تھا۔ ہری، ہرائے اور آریہ تینوں ہرات کے قدیم نام ہیں۔ قدیم تاریخ میں اس علاقے کو "آریا" یا "آریانہ" یعنی نسل آریہ کا مسکن کہا جاتا تھا جو بعد میں بگڑ کر "ہری" ہو گیا اور پھر ہرات کے نام سے مشہور ہوا۔"(10)

تارڑ ہرات کے نام، جغرافیے اور تاریخی پس منظر کی وضاحت کے ذریعے تاریخیت کے زمانی اور مکانی پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ تاہم ان کے ہاں تاریخیت صرف تاریخی معلومات یا مقامات کے تعارف تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ شہر کی عمارات، تہذیبی آثار اور اجتماعی یادداشت کو بھی اپنے بیانیے کا حصہ بناتے ہیں۔ اسی تناظر میں ہرات کی قدیم عمارات اور تیموری عہد سے وابستہ تہذیبی ورثہ تارڑ کے سفر نامے میں تاریخ کے زندہ اور محسوس تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

"آج کا پر انا ہرات چند قدیم عمارات، کچے مکانات اور غلیظ بازاروں پر مشتمل ہے البتہ شہر کے نواح میں گورنمنٹ کے دفاتر، ایئرپورٹ اور نئی آبادیاں جدید تہذیب کی مظہر ہیں۔ اہل ہرات کو اپنے تیموری عہد سے بے حد لگاؤ ہے۔ ملکہ گوہر شاد کی خوبصورتی، حسین مرزا اور شاہ رخ کی شجاعت کی داستانیں خراسانی لوک گیتوں میں ڈھل چکی ہیں۔ ہرات کی خوبصورت ترین عمارت مسجد جامع شہر کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ باہر سے مسجد کی وسعت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو اس کے وسیع صحن اور گنبدوں نے ہمیں اس کی عظمت اور خوبصورتی کا احساس دلایا۔ مسجد بالکل ویران پڑی تھی رات کو بارش سے میناروں اور گنبدوں کی دیدہ زیب اینٹوں کی نیلاہٹ اور نمایاں ہو چکی تھی اور تمام عمارت غیر مرئی طور پر شفاف نیلگوں آسمان میں جذب سی ہو گئی تھی۔ اکثر جگہ نیلی اینٹیں اور پتھر اکھڑ چکے تھے جن کی مرمت کا کام جاری تھا۔ مسجد کے بر آمدے میں چند ہنر مند کاریگر نئی اینٹوں کی تراش خراش میں مصروف تھے۔ مسجد کی موجودہ صورت 1200ء میں غیاث الدین غوری کے دور میں ظہور پذیر ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان نے یہ مسجد مشہور بزرگ فخر الدین راضی کے لئے تعمیر کروائی۔ راضی کا مزار مسجد سے ملحقہ ان کے حجرے میں واقع ہے"(11)

تارڑ ایسے سیاح ہیں جو یورپی ممالک کا صرف چکر لگانے کے لیے نہیں نکلے بلکہ وہ یہاں کی تاریخی، تہذیبی، سیاسی وثقافتی اور معاشرتی زندگی پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہر ملک اور شہر کی تاریخ بخوبی جانتے ہیں اور جہاں ضروری خیال کرتے ہیں اسے بیاں بھی کرتے ہیں۔ پیرس جو فرانس کی راجدھانی ہے جب وہاں جاتے ہیں تو پیرس کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پیرس کا شمار یورپ کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے زمانہ قدیم میں جب یہ علاقہ صرف دلدلوں اور چند جزیروں پر مشتمل تھا، سلیٹ نسل کے لوگ یہاں آکر آباد تھا۔ تاریخی کتب میں پیرس کا اوّلین حوالہ "جولیس سیزر" کے زمانے سے ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں "پاریسی" نامی قبیلہ آباد ہے۔ پیرس پاریسی قبیلے کا شہر وحشی ہنو کا سردار 307ء میں اس شہر پر حملہ آور ہوا لیکن اہل شہر کے عقیدے کے مطابق "سستت جنے ویو" کی کرامتیں اور ٹوٹکے اس کی راہ میں آئے اور وہ ناکام واپس لوٹ گیا۔ اس خدمت کے صلے

میں اب بھی جنے ویو کو پیرس کا یعنی "محافظ سنت" مانا جاتا ہے۔ پھر شار لیمان
کا دور آیا جو خلیفہ ہارون رشید کا ہم عصر تھا اور جو ہسپانیہ فتح کرنے کے شوق
میں برف پوش پیرانیز کے پار جا کر مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی فوج کو ہروا
بیٹھا اور ٹھنڈا ٹھنڈا واپس فرانس آگیا۔"(12)

یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ "نکلے تیری تلاش میں" میں تاریخیت کا یہ تصور اس سفر نامے کی روح ہے۔ یہ رنگ و بو، یہ گہرائی اور وسعت، یہ سنجیدگی اور دلچسپی—سب کچھ اس تاریخیت کے گرد گھومتا ہے۔ تارڑ نے ثابت کر دیا کہ سفر نامہ صرف خوبصورت مناظر وں کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ یہ تاریخ، تہذیب اور ثقافت کو سمجھنے کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ خاصیت ہے جو اس سفر نامے کو چند دہائیوں بعد بھی اتنا ہی پر کشش اور اہم بنائے رکھی ہے جتنا کہ اس کی اشاعت کے وقت تھا۔

حوالہ جات

1۔ مولوی نور الحسن نیر، نور اللغات، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1999ء، ص:216

2 https://en.m.wikipedia.org/wiki/ date: 5-01-2024 Tuesday, (01:36pm)

3۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، جدیدیت کے بعد، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2006ء، ص:120

4۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، جدید اور مابعد جدید تنقید، لاہور: انجمن ترقی اردو، لاہور، 2002ء، ص:250

5۔ مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1971ء، ص:19

6۔ ایضاً، ص:45

7۔ ایضاً، ص:31

8۔ ایضاً، ص:32

9۔ ایضاً، ص:42

10۔ ایضاً، ص:58

11۔ ایضاً، ص:65

12۔ ایضاً، ص:78

References:

1. Maulvi Noor-ul-Hasan Nair, *Noor-ul-Lughat*. Islamabad: National Book Foundation, 1999, p. 216.
2. Wikipedia. *Wikipedia*. https://en.m.wikipedia.org/wiki/ (Accessed: 5 January 2024, Tuesday, 1:36 PM).
3. Dr. Gopi Chand Narang, *Jadidiyat ke Baad*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006, p. 120.
4. Dr. Nasir Abbas Nayyar, *Jadid aur Ma Baad Jadid Tanqeed*. Lahore: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 2002, p. 250.
5. Mustansar Hussain Tarar, *Niklay Teri Talash Mein*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1971, p. 19.
6. Ibid., p. 45.
7. Ibid., p. 31.
8. Ibid., p. 32.
9. Ibid., p. 42.
10. Ibid., p. 58.
11. Ibid., p. 65.
12. Ibid., p. 78.